توقیر سلیم خان

# بلوچ ثقافت کے مظاہر

رقبے کے اعتبار سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ بلوچستان ہے۔ اگرچہ بلوچستان میں پٹھان، براہوئی، پنجابی، ہزارہ وغیرہ بھی بستے ہیں اور بلوچی کے علاوہ وہاں اردو، فارسی، پشتو، براہوئی، پنجابی اور سرائیکی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں لیکن ان لوگوں اور ان زبانوں کو اگر ثانوی درجہ دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ رابطہ کی زبان بہرحال اردو ہے جسے سبھی بولتے اور سمجھتے ہیں، سرکاری طور پر دیکھا جائے تو ریڈیو پاکستان کوئٹہ اور پاکستان ٹیلی ویژن کوئٹہ سے جن زبانوں میں پروگرام نشر ہوتے ہیں وہ چار ہیں، بلوچی، پشتو، براہوئی اور اردو۔ یہ الگ بات ہے کہ پنجابی اور فارسی میں بھی پروگرام نشر ہوتے ہیں۔

بلوچوں کی تہذیب و تمدن اور معاشرت و ثقافت پاکستان کی قومی تہذیب و ثقافت کا صحت مند، جان دار، متحرک اور بہترین حصہ ہے۔ بلوچی سامی النسل ہیں یا آریا؟ دراوڑ ہیں یا کاکیشین؟ اس نوع کی نسلیاتی بحثیں بہت قدیم ہیں سیدھی بات ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور پاکستانی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ بلوچ سنی ہیں لیکن ان کا نعرہ ہے "مامریدوں یا علی کرم" (اے علی کرم اللہ وجہہٗ ہم آپ کے مرید ہیں) ان کا کہنا ہے کہ وہ کربلا میں حضرت امام حسینؓ کی صف میں تھے۔ جب ہندی مسلمان آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے تو وہ قائدِ اعظمؒ کی صف میں کھڑے تھے اور انھوں نے قیامِ پاکستان کے لیے بڑھ چڑھ کر قربانیاں دیں۔

## رقبہ

قیامِ پاکستان سے پہلے بلوچستان تین انتظامی حصوں میں تقسیم تھا:

۱۔ برطانوی بلوچستان براہ راست حکومت برطانیہ کے ماتحت تھا اور اس کا رقبہ نو ہزار چار سو چھہتر مربع میل تھا۔

۲۔ ایجنسی مقبوضہ، بلا واسطہ حکومت برطانیہ کے ماتحت تھا اور ان مقبوضات میں انگریز ایجنٹ متعین تھے۔ ان مقبوضات کا رقبہ چوالیس ہزار تین سو پینتالیس مربع میل تھا۔

۳۔ تیسرے انتظامی حصے میں قلات، خاران، مکران اور لس بیلہ کی ریاستیں شامل تھیں، جن پر نواب اور خان حکمران تھے۔ ان ریاستوں کا رقبہ اٹھتر ہزار چونتیس مربع میل تھا۔

سارے بلوچستان کا کل رقبہ ایک لاکھ اکتیس ہزار آٹھ سو پچپن مربع میل ہے۔ ایجنسی مقبوضات اور ریاستیں ختم ہو چکی ہیں۔ بلوچستان کا رقبہ پاکستان کے کل رقبے کا پینتالیس فی صد ہے۔ بلوچستان جزائر برطانیہ سے بڑا ہے بلکہ یونان، سوئٹزرلینڈ، بلجیم اور ہالینڈ کے مشترکہ رقبے سے بھی زیادہ ہے۔

درہ بولان اور درہ مولا بلوچستان کے دو مشہور درے ہیں اور ان درّوں سے مقدونی، ایرانی، عرب، غزنوی، غوری، مغل اور درّانی لشکر برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوتے رہے ہیں۔

بلوچستان کا صدر مقام کوئٹہ ہے جو وادئ شال کے وسط میں ہے۔ وادی شال کے شمال مشرق میں وادی ژوب اور لورا لائی کے علاقے ہیں۔ شمال میں پشین ہے، جنوب مشرق میں لس بیلہ اور مغرب میں چاغی، خاران، پنجگور اور دوسری وادیاں ہیں۔ کوہ سلیمان کے علاوہ چند دوسرے پہاڑ کوہ سیاہان، کوہ مالک سیاہ، کوہ کیرتھر کوہ پب، کوہ چاغی اور راس کوہ ہیں۔ مشہور دریا دریائے گومل، دریائے ہب، دریائے ہنگول، دریائے سوراب، دریائے پورالی، دریائے رخشان اور دریائے لورائی ہیں۔

کوئٹہ، چمن، قلات، سبّی، لورالائی، پشین، خضدار اور مستونگ مشہور شہر ہیں۔ سارا بلوچستان کوہستانی ہے جس میں خوب صورت وادیاں اور نخلستان ہیں۔

حدود اربعہ : بلوچستان کے شمال میں افغانستان، جنوب میں بحیرۂ عرب، مشرق میں صوبہ سرحد، پنجاب اور سندھ اور مغرب میں ایران ہے۔ بلوچستان اور

وزیرستان کے درمیان بھی چالیس میل لمبی سرحد ہے۔ بلوچستان اور افغانستان کی سرحد سات سو میل لمبی ہے۔ بحیرۂ عرب کے ساتھ بلوچستان کی سرحد چار سو ستر میل ہے۔ سندھ، پنجاب اور صوبہ سرحد کے ساتھ ساتھ بلوچستان کا سرحدی فاصلہ نو سو میل ہے۔ بلوچستان اور ایران کی مشترکہ سرحد پانچ سو بیس میل لمبی ہے۔

بلوچستان ایرانی سطح مرتفع کا جنوب مشرقی حصہ ہے جو مشرق میں دشت کرمان اور کوہستان باشنگرد سے سندھ اور پنجاب کی حدوں تک پھیلا ہوا ہے۔ درۂ بولان، کوہ سلیمان اور مکران کے پہاڑی سلسلوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرتا ہے۔ چاغی کی پہاڑیاں بلوچستان اور افغانستان کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں۔

**طبعی حالات** : بلوچستان عہد قدیم سے لے کر اب تک جغرافیائی تبدیلیوں کا خطہ رہا ہے۔ یہاں ریگستان بھی ملتے ہیں اور نخلستان بھی۔ پہاڑی سلسلے بھی ہیں، اور میدان بھی۔ یہ خطہ گرمیوں میں سخت گرم اور سردیوں میں سخت سرد ہوتا ہے۔ بلوچستان میں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ گرمیوں میں گرم ہوا چلتی ہے جسے لوار کہا جاتا ہے۔ سردیوں میں یخ آلود ہوا چلتی ہے جسے مقامی لوگ قندھاری ہوا یا گوریچ کہتے ہیں۔

لوگوں کا عام پیشہ کھیتی باڑی اور گلہ بانی ہے۔ اکثر لوگ خانہ بدوش ہیں اور موسم کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت گھر بدلتے رہتے ہیں۔

## لفظ بلوچ کے منابع

لفظ بلوچ کو مختلف ادوار میں مختلف لوگوں نے بعل، بلوچ، بلوص، بلوس، بلوش، بعلوث، بلعوث، بیلوث، بیلوس اور بعلوس لکھا اور استعمال کیا ہے۔ اہل بابل اپنے قومی دیوتا کو بال اور بعل (یعنی عظیم) کہا کرتے تھے۔ یونانیوں نے اسے بیلوس کہا۔ عہد قدیم میں لفظ بلوچ کو بعلوث اور بیلوث لکھا جاتا تھا۔ اس کے بعد یہ لفظ بیلوس اور بعلوس کے طور پر تحریر و بیان میں آتا رہا۔ عرب اسے بروج، بلوص اور بلوش کہتے ہیں۔ ایرانی اسے بلوچ لکھتے اور بولتے ہیں۔ برّصغیر پاک و ہند میں ایرانی لفظ بلوچ رائج ہے۔

اصل لفظ بلوص ہے، جسے عربوں نے بلوش اور ایرانیوں نے بلوچ لکھا۔ اہلِ

ایران نے بلوص کے "ص" کو "چ" سے بدل کر اسے بلوچ کی صورت عطا کی اور عربوں نے ص کو ش سے بدلا۔

لفظ بلوچ کی وجہ تسمیہ نسبی اور سکنی اعتبار سے بھی کی جا سکتی ہے۔ نسبی اعتبار سے بلوص نمرود کا لقب ہے۔ نمرود بابلی سلطنت کا پہلا بادشاہ تھا اور اسے احتراماً بلوص، یعنی "سورج دیوتا" پکارا جاتا تھا۔ یہ وہی نمرود تھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کا الاؤ تیار کیا تھا۔

سردار محمد خان گشکوری اپنی کتاب "بلوچ نسل اور بلوچستان" کی تاریخ" میں لکھتے ہیں کہ بلوص نمرود کے بعد سلطنت بابل کا دوسرا بڑا شہنشاہ تھا۔

سکنی اعتبار سے بلوچ وادیٔ بلوص کے رہنے والے ہیں۔ یہ وادی شام میں حلب کے قریب ایران کی سرحد کے ساتھ واقع ہے۔ وادیٔ بلوص ایک اجاڑ وادی تھی۔ عرب و شام کے کئی قبائل یہاں آباد ہوئے۔ لیکن روم کے مستبد حکمرانوں کی دراندستیوں کے باعث نقل مکانی کرتے رہے۔ جب اسلامی تعلیم اور حکومت کا غلبہ ہوا تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے اپنے ایک سردار حبیب بن مسلمہ کی سرکردگی میں ایک لشکر وادیٔ بلوص کی طرف روانہ کیا۔ اس لشکر کے ہمراہ عربوں کی ایک ایسی جماعت بھی تھی جو عرصے سے شام میں آباد تھی۔ وادیٔ بلوص کی فتح کے بعد یہ جماعت اسی وادی میں آباد ہو گئی۔ اس اثنا میں قبیلہ قیس بھی صحرانوردی چھوڑ کر اس وادی میں آباد ہو گیا۔ یہی لوگ بلوص اور بعد میں بلوچ کہلائے۔

## نسبیات

بلوچ نسل کے متعلق بعض اہل قلم کی رائے یہ ہے کہ بلوچ قوم دو حصوں میں منقسم ہے۔ بلوچ اور براہوئی۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ دونوں قومیں حسب و نسب کے اعتبار سے سامی النسل ہیں۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بلوچ اور براہوئی نسباً الگ ہیں اور براہوئی دراوڑ نسل سے ہیں۔ جن تاریخ نویسوں نے براہویوں کو بلوچ کہا ہے، ان کا خیال ہے کہ براہوئی بلوچوں کا طائفہ اوّل ہے جو بلوچوں کی عام ہجرت سے کم و بیش سات آٹھ صدیاں پیشتر ایرانی حکومت کی تاخت و تاراج

کے باعث نقل مکانی کر کے یہاں وارد ہوا تھا۔

خاص بلوچوں کے نسب کے بارے میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ پوٹنگر اور خانیکوف کا خیال ہے کہ یہ ترکمان نسل سے ہیں۔ برٹن، لیسن، اسپیگل اور ڈیمز کا کہنا ہے کہ یہ ایرانی نسل سے ہیں۔ سرٹی ہولڈچ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ نسلاً عرب ہیں۔ ڈاکٹر بیلو نے انھیں راجپوت لکھا ہے۔ پروفیسر کین نے ان کا نسب ناجک نسل سے ملایا ہے۔ پروفیسر ماکلر نے ثابت کیا ہے کہ بلوچ مکران کے قدیم باشندوں کے باقیات ہیں۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ "رند" بلوچ نہیں ہیں بلکہ عرب ہیں اور الحارث العلافی کی اولاد ہیں۔ "بلوچ نسل اور بلوچستان کی تاریخ" کے مصنف اور نامور بلوچ دانش ور سردار محمد گشکوری نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ بلوچ کلدانی اور بابلی ہیں اور مشہور حکمران نمرود کی نسل سے ہیں۔ بلوچوں کے پاس ایک نظم ہے، اس نظم کی رو سے یہ امیر حمزہؓ کی اولاد ہیں اور حلب سے آئے ہیں۔ اس میں مزید بیان ہوا ہے کہ انھوں نے حضرت حسینؓ کا ساتھ دیا تھا۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد وہ بام پور پہنچے اور وہاں سے سیستان آئے۔

فردوسی کے شاہنامہ میں بلوچوں کا ذکر آیا ہے۔ اس میں ان کا ذکر کیکاؤس اور کیخسرو کی افواج کے سپاہیوں کی حیثیت سے ملتا ہے۔ فردوسی اردشیر اور نوشیروان کے زمانے میں بھی ان کا ذکر کرتا ہے۔ فردوسی نے ان کی انفرادی خصوصیات بھی بیان کی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قوم ایرانی بلوچستان اور مکران میں قدیم زمانے سے اپنی انفرادی خصوصیات کے ساتھ رہتی چلی آرہی ہے۔ ماہنامہ "بلوچی دنیا" ملتان کے مدیر نور احمد خان فریدی کی تحقیق کے مطابق بلوچ قوم سامی النسل ہے۔ ان کا اصل وطن بحیرۂ خزر اور بحیرۂ اسود کا درمیانی اور ساحلی علاقہ ہے۔ اس وقت تمام قبائل بلوص کہلاتے تھے اور جس وادی میں رہتے تھے اسے بھی بلوص کہا جاتا تھا۔ یہاں سے وہ دشت لوط اور کرمان کی طرف منتقل ہوئے اور پھر مختلف اوقات میں اس عظیم قوم کے قافلے کیچ مکران کی طرف ہجرت کرتے رہے، یہاں آکر انھوں نے متعدد مقامی قبائل کو اپنے اندر جذب کر لیا اور وہ بھی بلوچ کہلانے لگے۔ ان کے خیال میں میر جلال خان کی اولاد، یعنی رند،

کورائی، لاشار، ہوت، جتوئی اور بلیدی وغیرہ خالص عربی النسل ہیں۔
محمد بن ہارون الغزی اور محمد بن حارث علافی جیسے بہت سے عرب سردار بلوچستان اور سندھ میں آئے اور بلوچ اقوام میں شمار ہونے لگے۔ اب عربی اور عجمی کی تمیز نہیں ہو سکتی۔ جو نواحد خان فریدی مزید لکھتے ہیں کہ جو لوگ بلوچوں کو دراوڑی ظاہر کرتے ہیں وہ بھی کچھ غلط نہیں ہیں، کیونکہ بلوچوں کی آمد سے پہلے یہاں کی مقامی آبادی کلی طور پر تو ہجرت نہ کر سکی ہوگی۔ یقیناً پھنور، بھٹو، لنگاہ، کھوڑو، سومرو، کھوکھر، اُستا وغیرہ کے ماسوا متعدد قبائل جو اپنے نسب کی حفاظت نہ کر سکے آج وہ بھی بلوچ کہلاتے ہیں۔

امرت لال عشرت کی تحقیق کے مطابق قدیم فارسی ادبیات میں بہت سے ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ یہ قوم شروع میں دریائے ماژندران (بحر خضر) کے کنارے اقامت گزین تھی، وہاں سے جنوب کی طرف مہاجرت کر کے پہلے کرمان اور بعد میں گیارھویں صدی کے لگ بھگ سیستان اور مکران کے علاقوں میں آکر آباد ہوئی۔ تیرھویں صدی کے اوائل میں چنگیزی حملے کی قیامت برپا ہوئی تو بلوچ بھی افتاں وخیزاں مشرق میں مشرقی مکران اور سندھ کی سرحد تک منتشر ہو گئے اور کچھ عرصے بعد برصغیر کی شمال مغربی سرحد کے ساتھ ساتھ کوہ سلیمان کے سلسلے پر قابض ہو گئے۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں کچھ بلوچ دستے پنجاب اور سندھ میں بھی مقیم ہو گئے۔ لیکن ان کی اہم ترین ہجرت تیمور کے حملے سے بابر کے حملے تک کے وقفے میں ہوئی۔ مکران میں آگے بڑھتے ہوئے یہ لوگ قلات کے بے آب وگیاہ پہاڑی ٹیلوں پر قابض ہو گئے، غالباً بعض تاریخی عوامل نے بلوچوں کو قلات سے پھر ہجرت پر آمادہ کیا اور وہ برصغیر کے میدانوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ بعض غیر بلوچ قبیلوں نے قلات پر قابض ہو کر بلوچوں کو سندھ اور پنجاب کے میدانی علاقوں کی طرف جانے پر مجبور کر دیا۔ یہ واقعہ بلوچی قوم کی تاریخ میں ناقابل فراموش ہے۔ اس کے بعد بلوچ قوم دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی اور مغربی اور مشرقی بلوچوں کے درمیان قلات کے براہوئی بھی نظر آنے لگے۔

محمد سردار خان بلوچ نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ بلوچ روایت کے مطابق امیر

جلال خان بلوچ قبائل کا سردار تھا جو گیارھویں صدی عیسوی میں کرمان کے پہاڑوں اور لوط کے ریگستان میں رہتے تھے۔ بلوچوں کا روایتی عہد اسی سردار سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے چار بیٹے رند، کورائی، لاشار اور ہوت تھے۔ رندان سب سے بہادر دلیر اور شجاع تھا۔ آگے چل کر رند کی اولاد سے امیر چاکر خان بن امیر شہک پیدا ہوا جو بلوچ نسل کا بطل جلیل کہلاتا ہے۔

## قدیم تاریخ

سب سے پہلے بلوچستان کا ذکر، جس کا نام ماکا (MAKA) تھا بیہسنون اور اصطخر (Pessepolis.) میں دارا کے خط مسماری میں لکھے ہوئے کتبے میں ملتا ہے۔ کلاسیکی ماخذ میں اس کے اور نام بھی مذکور ہیں، لیکن اس خطے کے عہد اسلامی سے پہلے کے حالات بہت کم ہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ فارسی بولنے والے بلوچستان میں بہت بعد میں آئے اور بلوچستان کے جنوبی اور مشرقی حصوں میں اسلامی فتوحات کے بعد مدت بعد تک بھی غلبہ غیر ایرانیوں کا رہا۔ مکران (مغربی بلوچستان) میں غالباً اس زمانے کے لگ بھگ داخل ہوئے جب سلجوقیوں نے کرمان پر حملہ کیا۔

نادر شاہ افشار پہلا شخص تھا جس نے کوئٹہ و قلات کے موجودہ انتظامی ویژنوں کو بلوچستان کا نام دیا۔ اوستا میں بلوچستان کو وادئی پشین کہا گیا ہے۔ یونانی مؤرخ نے بلوچستان کو ماکا تحریر کیا۔ بیہسنون کے کتبوں میں بھی بلوچستان کے لیے یہی لفظ (ماکا) استعمال ہوا۔ ایرانی حکمران دارائے اعظم کی سلطنت ایک سو ستائیس صوبوں پر مشتمل تھی، ان میں سے ایک صوبہ یہی ماکا تھا۔ بعد ازاں ماکا کو مکران کا نام دیا گیا بعض مؤرخوں نے اسے میکیا بھی لکھا ہے۔ بعض یونانی مؤرخوں نے بلوچستان کو گدروشیا بھی تحریر کیا ہے۔ چینی سیاح بلوچستان کو زنگلا پکارتے تھے، کہا جاتا ہے کہ ایران میں ماد و فارس کی سلطنت کا بانی خورس (سائرس) ایک بار اپنا لشکر بلوچستان کی طرف لے کر آیا تھا لیکن سات افراد کے سوا اس کے تمام لشکری مارے گئے اور وہ خود زخمی ہوا۔

۳۲۵ ق م میں سکندر اعظم ہندوستان کی فتح کے بعد بلوچستان کی راہ ایران کو لوٹا اس نے ایران میں شرقاً غرباً سفر کیا۔ اس کا امیر البحر نیرچس اپنے بحری بیڑے کو

لے کر بلوچستان کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا اور خلیج فارس پہنچا۔ ہاتھیوں اور زخمیوں کو کریٹیرئس کے سپرد کیا گیا۔ اس نے وادیٔ سندھ سے سفر کا آغاز کیا اور کوئٹے میں سے ہوتا ہوا سکندر اعظم کو حلیل رود کی وادی میں ملا۔ اسی جگہ میزچس نے سکندر اعظم کو اطلاع دی کہ بحری بیڑہ بحفاظت ہرمز پہنچ گیا ہے، یہ مقام موجودہ بندر عباس کے مشرق میں تھا۔ سکندر اعظم کی موت کے بعد بلوچستان سلطنت باختریہ کا ایک حصہ بن گیا۔ سکندر اعظم کی موت کے بعد ہی اس کے سپہ سالار سیلوکس نے اول الذکر کے بعض مفتوحہ علاقوں پر قبضہ کر لینے میں کامیابی حاصل کی۔ سیلوکس نے بابل فتح کیا اور ۳۰۵ ق م میں ہندوستان پر چڑھائی کی۔ اس نے بلوچستان کو فتح کرنے کے بعد سندھ پر حملہ کیا۔ جب اس نے دریائے سندھ کو پار کیا تو اس کا مقابلہ مگدھ کے چندر گپت موریہ کی فوجوں سے ہوا۔ سیلوکس کو شکست ہوئی اور چندر گپت کی فوجوں نے اسے بلوچستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

بلوچستان ساسانی خاندان کے چودھویں حکمران بہرام گور (۴۰۰ء تا ۴۲۷ء) کی سلطنت کا بھی ایک حصہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق بلوچستان (مکران) اسے ہندوستان کے بادشاہ شنراہ کی بیٹی سے شادی کرنے پر جہیز میں ملا تھا۔

مشہور مورخ ایلیٹ کے مطابق بلوچستان ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز (۵۹۱ء تا ۶۲۸ء) کی سلطنت کا ایک حصہ تھا کیونکہ اس کی سلطنت کی حدود وادیٔ سندھ تک تھیں۔ ۶۳۵ء میں سندھ کے برہمن حکمران راجہ چچ نے بلوچستان پر قبضہ کیا اور بلوچستان کی حدود مقرر کیں نیز بلوچستان کے دفاع کے لیے قلعے تعمیر کیے۔

## اسلامی دور

بلوچستان میں برہمن راج زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوا، کیونکہ کرمان عرب سپہ سالاروں کی زد میں تھا۔ مسلمانوں کے لشکر بلوچستان کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے۔ آخر یہی یلغار کچھ عرصے بعد راجہ داہر کی شکست کا باعث بنی۔

جب حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں کرمان کا علاقہ فتح ہوا تھا تو عربوں نے کرمان کے پہاڑوں کے آس پاس کوف (کوچ) اور بلوص (بلوچ) نامی لوگ پائے اس وقت مکران میں ہندوستان کی جاٹ اور دوسری قومیں آباد تھیں، بلوچ یا براہوئی

نہیں تھے۔ پھر حضرت عثمانؓ کے زمانے میں حکیم بن جبلہ عبدی حال معلوم کرنے کی غرض سے سندھ اور بلوچستان کی طرف آئے تو انھوں نے حکومت کو ایک رپورٹ پیش کی جس میں لکھا:

"وہاں کا پانی کھاری ہے، کھجور ردی قسم کی ہے، چور بڑے دلیر ہیں، اگر کوئی تھوڑا سا لشکر لے کر جائے تو نیست و نابود ہو جائے گا اور اگر زیادہ لشکر لے کے بجائے تو بھوک سے مر جائے گا۔"

چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کے زمانے میں ۳۹ھ میں حضرت حارث بن مرۃ العبدی بلوچستان آئے، جہاد شروع کیا اور کچھ علاقے بھی فتح کیے۔ لیکن ۴۴ھ میں قلات میں بہت سے ساتھیوں سمیت لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

۴۴ھ میں امیر معاویہ کے زمانے میں مکران فتح ہوا۔ یہاں عربوں نے اپنا فوجی اڈا بنالیا اور اردگرد کے علاقوں پر حملے شروع کیے۔ ازاں بعد مکران کی جنگ کے لیے عبداللہ بن سوار العبدی آئے۔ انھوں نے قلات کے کچھ علاقے فتح کیے اور پھر قلاتی گھوڑے تحفے کے طور پر امیر معاویہ کو پیش کیے، مگر جب دمشق سے واپس مکران لوٹے تو حالات بدل چکے تھے، چناں چہ انھیں شہید کر دیا گیا۔ عبداللہ کے بعد حضرت سنان بن سلمہ سپہ سالار مقرر ہوئے۔ انھوں نے ایک دفعہ پھر سارا مکران فتح کر لیا اور شہر کو نئے سرے سے آباد کیا۔

اس زمانے میں مشہور مسلمان سپہ سالار مہلب ابن ابی صفرہ سیستان کی طرف سے ایک درے کے راستے وارد ہوئے اور ہنوں (تحصیل صوابی ضلع مردان) پھر ملتان سے ہو کر بلوچستان میں داخل ہوئے اور جگہ جگہ جنگ لڑی۔ قلات میں ایک جگہ اٹھارہ ترک سواروں سے سامنا ہوا جو دم کٹے گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ سوار تو لڑائی میں مارے گئے لیکن مہلب کو ان کے دم کٹے گھوڑے اتنے پسند آئے کہ انھوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو دم کٹا بنا دیا۔ مہلب کے بعد عبداللہ بن سوار العبدی، سنان بن سلمہ اور راشد بن عمرو العبدی مکران کے حاکم مقرر ہوئے۔ پھر حضرت ابوالاشعث (المنذر) بن جارود العبدی مکران کے حاکم بن کر آئے، انھوں نے قلات بھی فتح کیا اور بولان کے درے تک سارا علاقہ زیر نگیں کر لیا۔ اس زمانے میں خضدار (قصدار)

کے لوگوں نے بغاوت کی۔ یہ جگہ ملتان شہر سے بیس پڑاؤ اور مکران کی بندرگاہ سے بارہ پڑاؤ کے فاصلے پر ہے۔ ابوالاشعث نے باغیوں پر حملہ کیا اور زبردست جنگ کے بعد خضدار کو فتح کر لیا۔

ابوالاشعث کے بعد ابن حرّی الباہری مکران کے حاکم ہوئے۔ انھیں بھی کئی لڑائیاں لڑنا پڑیں اور سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ان کے عہد میں بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ پھر جب خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں حجاج بن یوسف عراق کا حاکم مقرر ہوا تو سعید بن اسلم الکلابی کو مکران کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اس وقت ایک عرب سردار حارث العلافی اپنے قبیلے کے ساتھ بھاگ کر عمان کے راستے مکران پہنچا اور سندھ کے راجہ داہر کا مقرب ہو گیا۔ اسے مکران کی سرحد پر ایک بہت بڑی جاگیر بھی ملی، یہاں اس کی سعید بن اسلم الکلابی کے ساتھ کسی بات پر شکر رنجی ہو گئی اور اس نے سعید کو اپنے بیٹوں معاویہ اور محمد کے ہاتھوں قتل کروانے کے بعد مکران پر قبضہ کر لیا۔

حجاج بن یوسف کو جب خبر ہوئی تو مجاہد بن سعیر التمیمی کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ علافیوں کو جب اس کا علم ہوا تو اپنا انجام سامنے نظر آیا۔ انھوں نے مکران چھوڑ دیا اور سندھ کے راجہ داہر کے پاس چلے گئے، مگر حجاج بن یوسف کے سپہ سالاروں نے ان باغیوں کا تعاقب کیا اور راجہ داہر سمیت ان کو قرار واقعی سزائیں دیں۔

جب ۸۹ھ میں محمد بن قاسم نے راجہ داہر کے خلاف چڑھائی کی تو اس وقت مکران یعنی بلوچستان مسلمانوں کے زیر نگیں تھا، راستے محفوظ تھے، مسجدیں آباد تھیں اور کوہستانی علاقوں میں کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔

**بلوچ دور:**

موجودہ بلوچستان میں بلوچوں کی آمد کا عہد گیارھویں صدی عیسوی کے آخری دس سال ہیں، بلوچوں کی روایتی داستانوں کے مطابق بلوچ اپنے سردار جلال خان کی سرکردگی میں کرمان کے مختلف اضلاع میں رہتے تھے کہ سیاسی انتشار کی وجہ سے وہ قافلہ در قافلہ کرمان چھوڑ کر سیستان چلے گئے۔ یہاں بھی انھیں چین نہ ملا تو اپنے

سردار امیر جلال خان کی قیادت میں واپس کرمان آ گئے اور ضلع جام پور میں آباد ہوئے لیکن سکون وہاں بھی میسر نہ تھا۔ سردار امیر جلال خان اپنے چوالیس قبیلوں (پاڑوں) کو لے کر مکران کی طرف بڑھا اور یوں مکران کو بلوچستان کا نام دیا۔ امیر جلال خان کی آمد سے پہلے مکران پر مغول حکومت کرتے تھے۔ بلوچ سردار نے انھیں شکست دی، جس سے مقامی آبادی کی وفاداریاں بھی انھیں آسانی سے میسر آ گئیں، کیونکہ مقامی لوگ مغول کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکے تھے۔

یہ مسلمہ بات ہے کہ امیر جلال خان کی آمد سے پہلے مکران میں بلوچ آباد تھے جو خانہ بدوش تھے اور کچھ بھیڑ بکریاں پال کر گزارہ کرتے تھے۔ امیر جلال خان کے ہمراہ جو بلوچ کرمان کے ضلع بام پور سے مکران پہنچے وہ شہسوار بھی تھے اور منتظم بھی۔ امیر جلال خان نے انھیں احساس قومیت عطا کیا اور بلوچوں کے قبائلی نظام کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ یہ کہنا درست نہیں کہ امیر جلال خان سب سے پہلے مکران آیا، البتہ یہ درست ہے کہ امیر جلال خان کے بعد ایران سے بلوچوں کا کوئی قافلہ پاکستانی بلوچستان کی طرف نہیں آیا۔

امیر جلال خان کی اولاد کم و بیش ساڑھے تین سو سال تک مکران میں کیچ بابو اور پنجگور کی وادیوں پر قابض رہی۔ وسطی بلوچستان میں چھلاوان اور سراوان کے علاقے ابھی بلوچ شہ سواروں کے گھوڑوں کے سموں سے نا آشنا تھے، لیکن پندرھویں صدی عیسوی میں بلوچوں کے دو قبیلے رند اور لاشاری شانہ بشانہ وسطی بلوچستان کی طرف بڑھے۔ بلوچ شہ سواروں کا مقابلہ جن لوگوں سے تھا وہ یا تو قتل کر دیے گئے یا انھوں نے اطاعت قبول کر لی۔ آخر امیر چاکر خان رند کے عہد میں سارا بلوچستان بلوچوں کے زیر نگیں آ گیا اور انھوں نے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ ۱۵۱۲ء میں میر چاکر رند بلوچستان چھوڑ کر پنجاب کی طرف چلا آیا اور اوکاڑہ (ضلع ساہی وال) کے ایک موضع ست گرہ میں سکونت پذیر ہوا۔

## بلوچ اور مغل

شہنشاہ بابر اپنی خود نوشت "تزک بابری" میں ۲۳ فروری ۱۵۱۹ء کو لکھتا ہے میں نے حیدر علم دار کو بلوچوں کی طرف بھیجا، بھیرے اور خوشاب سے دوسرے دن

بلوچ گھوڑے کی ڈالی لے کر آئے اور اطاعت کا وعدہ کیا۔

۱۵۳۹ء میں شہنشاہ ہمایوں نے چوسہ کے مقام پر شیر شاہ سوری سے شکست کھائی اور دشت نوردی کے عالم میں ادکاڑے کے قریب ست گرہ پہنچا جہاں میر چاکر خان رند کے ایک امیر بخشو خان نے شہنشاہ کو غلے کی سو کشتیاں امداد کے طور پر دیں۔ شہنشاہ کی بہن شہزادی گلبدن بیگم بھی اپنے بھائی کے ساتھ تھیں۔ شہزادی نے ہمایوں نامہ میں بخشو بلوچ کا امداد پر شکریہ ادا کیا ہے۔

ایران جاتے ہوئے شہنشاہ ہمایوں بلوچستان سے گزرا، جب وہ نوشکی پہنچا تو ایک بلوچ سردار ملک حظی نے اسے پناہ دی، اور دوسرے دن اسے ایران کی سرحد پر چھوڑ کر آیا، شہنشاہ نے ملک حظی کو انعام کے طور پر ایک انمول ہیرا عطا کیا۔

جب جولائی ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے تخت دہلی کے لیے دوبارہ ہندوستان پر چڑھائی کی تو اس کے لشکر میں چالیس ہزار بلوچ جوان تھے جن کا سالار امیر چاکر خان رند کا بیٹا میر شاہ داد خان تھا۔

اکبر کے زمانے میں بلوچوں نے ملتان کے علاقے میں بغاوت کی جسے فرو کرنے کے لیے اکبر نے اسماعیل خان کی کمان میں لشکر بھیجا۔ بلوچوں کی طرف سے غازی خان اور ابراہیم خان مقابلے میں آئے مگر شکست کھائی اور گرفتار کیے گئے۔ تاہم اکبر نے انھیں معاف کر دیا اور ان کے علاقے انھیں واپس کر دیے۔

شاہ جہان نے بلوچوں کی شورش سے تنگ آکر ملتان کا صوبہ اورنگ زیب کو دے دیا جس نے ۱۶۹۴ء کو باغی بلوچوں کی سرکوبی کی۔

میر چاکر رند کے بعد سبی پر کچھ عرصہ رندوں کا سیاسی غلبہ رہا، لیکن رند سردار مہندا ایک کمزور حکمران ثابت ہوا اور میروانی اور کلپرانی بلوچوں نے مہندا کو قتل کر دیا اور قلات پر قابض ہو گئے اور یوں بلوچستان پر براہوئیوں کا قبضہ ہو گیا جو ۱۹۵۵ء تک حکمران تھے۔ آخری حکمران احمد یار خان تھے۔

## بلوچی زبان

بعض مصنفوں کے نزدیک بلوچی فارسی کی مسخ شدہ صورت ہے۔ مگر یہ غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ بلوچی فارسی سے زیادہ قدیم زبان ہے۔ بلوچی ایک آزاد اور

قائم بالذات زبان ہے اور موجودہ فارسی سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں۔ صوتی اعتبار سے بلوچی قدیم پہلوی کے بہت قریب ہے۔ عرب سیاحوں اور مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مکران کے لوگ فارسی اور مکرانی زبان بولتے ہیں۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ مکرانی (بلوچی) فارسی سے الگ زبان ہے۔ لسانیات کے بعض ماہرین کے خیال میں بلوچی قدیم باجنزیہ زبان زند سے بے حد مماثلت رکھتی ہے۔

انگریزوں کے آنے کے بعد غیر ملکیوں نے بلوچی زبان پر بھی کچھ تحقیقی کام کیا۔ ٹرمپ نے بلوچی کے قواعد مرتب کیے۔ میجر مالکر مکرانی بلوچی کے قواعد ضبط تحریر میں لایا۔ ۱۸۴۰ء میں ایک انگریز فوجی لفٹننٹ لیچ نے بلوچی کی نظمیں ترجمہ کر کے کتابی صورت میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے رسالے میں چھپوائیں۔ ۱۸۷۷ء میں برٹن کی کتاب SINDREVISITED شائع ہوئی جس میں تین بلوچی نظموں کا ترجمہ ہے۔ ۱۸۸۰ء میں ڈیمز نے کچھ بلوچی اشعار مع ترجمہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے رسالے میں شائع کروائے۔ ۱۸۹۱ء میں ڈیمز کی کتاب بلوچی ٹیکسٹ بک شائع ہوئی۔ اس میں بھی بلوچی اشعار ہیں۔ ٹی۔ ایم۔ میئر نے Blochi Classics شائع کی جس میں اس نے بلوچی اشعار مع ترجمہ دیے ہیں۔ رائے بہادر ہیتو رام نے ۱۸۸۱ء میں لاہور سے اپنی کتاب بلوچی نامہ چھپوائی۔ ۱۹۰۷ء میں لانگ ورتھ ڈیمز نے بلوچی زبان کے قدیم ادب پر مشتمل کتاب بہ عنوان "بلوچوں کی قدیم شاعری" لندن سے شائع کی جسے بلوچی کے کلاسیکی ادب میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ اس کی کتاب کا اردو ترجمہ مع حواشی جناب میر خدا بخش بجارانی مری بلوچ بار ایٹ لاء نے بزم ثقافت کوئٹہ کے زیر اہتمام ۱۹۶۳ء میں شائع کیا۔ ۱۹۱۰ء میں انگریزی بلوچی لغات کلکتے سے شائع ہوئی جو اب نایاب ہے۔ بلوچی ادب پر اردو زبان میں سب سے پہلی کتاب سلیم خان گمی نے "بلوچی ادب" کے نام سے لکھی جو اردو اکیڈیمی بہاولپور نے ۱۹۶۱ء میں شائع کی۔ میر مٹھا خان مری، صورت خان مری، ع۔ سلام، انجم قزلباش اور عطا شاہ نے بھی بیرونی دنیا کو بلوچی زبان کے قدیم لوک ادب سے روشناس کرانے کے لیے قابل قدر کوششیں کی ہیں۔ بلوچی اکیڈیمی کوئٹہ نے بلوچی زبان و ادب کے لیے بہت کام کیا ہے۔ ۱۹۶۹ء میں اردو ڈیولپمنٹ بورڈ نے عطا شاہ کی کتاب

"بلوچی نامہ" شائع کی۔ کراچی کے بلوچ ادبا اور طلبا بلوچی ادب، ثقافت اور تاریخ کو متعارف کرانے میں مصروف ہیں۔

ذیل میں بلوچی زبان کے چند قدیم رومانوں کے عنوان دیے جاتے ہیں، ان میں سے اکثر رومان تاریخی ہیں اور ان کے کردار بلوچ تاریخ کے جیتے جاگتے سپوت ہیں۔ یہ لوک داستانیں بلوچی زبان کی ادبیات کا انمول خزانہ ہیں۔

حانی و شہ مرید، بی برگ و گران ناز، ماہ ناز و شاہ داد، محبت خان سومری، دوستین و شیرین، سمو و توکلی مست۔

بلوچ جس خطے میں رہتے ہیں وہ جغرافیائی اور طبعی بوقلمونی کے لیے مشہور ہے۔ کہیں چٹیل اور برف آلود پہاڑ ہیں تو کہیں گہری کھائیاں، کہیں سپاٹ میدان ہیں تو کہیں ہنستی مسکراتی وادیاں، کہیں گنگناتے چشمے ہیں تو کہیں تپتے ریگستان۔ اگر قندھاری ہوا برف ساتھ لاتی ہے تو ریگستان کی تیز آندھی آگ برساتی ہوئی آتی ہے۔ ان حالات میں گیت ان کی روح کی آواز بن جاتے ہیں۔ ذیل میں ان گیتوں کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے جو عورتوں مردوں اور بچوں میں یکساں مقبول ہیں۔

**لاڈوگ** : یہ طربیہ گیت ہے جسے بہت سی عورتیں مل کر ڈھولک پر گاتی ہیں یہ گیت عموماً شادی بیاہ کے موقع پر گایا جاتا ہے۔

**زہیروک** : یہ المیہ گیت ہے اور بغیر کسی ساز کی سنگت کے گایا جاتا ہے۔

**سوت** : یہ طربیہ گیت ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر بہت سے دیہاتی مل کر گاتے ہیں۔ جب فصل پک جاتی ہے تو اسے کسان اور کاشت کار فصل پکنے کی خوشی میں کھلیتوں اور باغوں میں گاتے ہیں۔

**حالو** : یہ طربیہ گیت بھی ہے اور رقص بھی۔

**لیلی مور** : یہ خاص طور پر جدائی کا گیت ہے اور اسے چاہنے والا گاتا ہے۔

**ڈیہی** : یہ گلہ بانوں اور شتر بانوں کا طربیہ گیت ہے، موسم بہار میں گایا جاتا ہے۔

**لیکو** : شتر بانوں کا جدائی کا گیت ہے، جب شتر بانو اپنے اونٹ لے کر رات کی تاریکیوں میں طویل سفر پہ ہوتے ہیں تو انھیں گھر کا آرام اور محبوبہ کا دل نواز چہرہ یاد آجاتا ہے، چنانچہ وہ جدائی اور دوری کی کسک دور کرنے کے لیے لیکو گاتے ہیں۔

**داستانک:** اسے دستانہ بھی کہا جاتا ہے، اس کی فنّی ساخت "ڈوچیرڑو" سے مشابہ ہے اور مشہور بلوچ ساز نڑ (نے) کے ساتھ گایا جاتا ہے۔
داستانک بلوچ چرواہوں میں بہت مقبول ہے، مضمون کے لحاظ سے اس میں محبوب کی تعریف ہوتی ہے اس کے علاوہ کسی بہادر کی تعریف بھی کی جاتی ہے۔
**سبت:** یہ اصل میں حمد و نعت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی تعریف کی جاتی ہے اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا جاتا ہے۔
**لولی:** بلوچی میں لوری کو لولی کہا جاتا ہے۔ یہ گیت مائیں اور بہنیں، بیٹوں اور بھائیوں کو سلانے کے لیے گاتی ہیں۔
**موتک:** (مرثیہ) اس میں مرنے والے پر اظہارِ رنج و غم کیا جاتا ہے۔
**شیئر:** طویل رزمیہ نظم کو شیئر کہتے ہیں، شیئر میں کسی قبائلی سردار کی بہادری کا واقعہ ہوتا ہے، شیئر میں عموماً تاریخی واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔
**تاترنک:** یہ گیت عورتیں خوشی کے موقع پر مل کر گاتی ہیں۔
**لیلڑی:** پنجابی ماہیا کی طرح لیلڑی عشقیہ گیت ہے جسے دیہاتی نوجوان موسم بہار میں گاتے ہیں۔
**مورو:** دیہات میں ایک لڑکا مرد بن جاتا ہے اور دوسرا عورت، اور پھر دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر باری باری گاتے ہیں۔ یہ اصل میں دوگانا ہے، جس میں پیار اور محبت کی زبان سے ایک دوسرے پر ہلکی ہلکی چوٹیں کی جاتی ہیں۔
**گیشتار:** بلوچی میں کسی شاعر کے عشقیہ کلام کو گیشتار کہتے ہیں۔ ہم اسے اردو میں غزل کہیں گے۔

# بلوچی ادب

## چاکر خان رند کا عہد

اس دور میں رزمیہ اور رومانوی داستانیں دست یاب ہیں۔ ان داستانوں کے کردار شاعر بھی ہیں۔ عموماً طویل نظمیں ملتی ہیں جو لوک شاعری کا عمدہ نمونہ ہیں۔ اس دور کی ان نظموں کے حقیقی شاعر کم ملتے ہیں۔ ایک نظم کے بارے میں ڈیمز نے لکھا ہے کہ کسی ڈومبکی شاعر کی ہے۔ دوسری کے بارے میں لکھا ہے کہ

کسی رند شاعر کی ہے۔ اس دور کے حسب ذیل شعرا کے نام ملتے ہیں:
(۱) فلانی بن حبیب (۲) نودہ بن بہرام (۳) چاکر خان رند (۴) بی برگ (۵) شہداد (۶) ریحان (۷) ماہ ناز۔

## خوانین قلات کا عہد

میر چاکر رند کے انتقال کے بعد بلوچوں کا ادبی مرکز ختم ہو گیا اور رزمیہ شاعری میں بھی زوال آگیا۔ اس کے بعد بلوچی شاعری نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ رزمیہ شاعری کے ساتھ خالص عشقیہ شاعری بھی ہونے لگی۔ اس دور کی رزمیہ نظمیں بلوچ قبائل کے درمیان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں سے متعلق ہیں۔

اس دور کی رومانوی داستان "للہ و گراناز" ہے۔ یہ واقعہ سترھویں صدی میں ہوا جو مکران کی سرزمین سے تعلق رکھتا ہے۔ اس دور میں اس رومانوی داستان اور دوسری رومانوی داستانوں پر نظمیں کہی گئیں۔

اس دور کا عظیم شاعر جام درک ہے جو ڈومبکی قبیلے سے تھا۔ اس کا تعلق قلات کے خان نصیر خان نوری کے دربار سے تھا جو ۱۷۵۰ء میں تخت نشین ہوا۔ یہ آفتاب بن کر بلوچی ادب کے افق پہ چمکا۔ اسے ملک الشعرا کہا جاتا ہے۔ عشق کی وجہ سے اس کے کلام میں درد اور سوز پایا جاتا ہے۔ یہ تمام بلوچی شعرا سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ اس کی زبان صاف اور شُستہ ہے۔ اس کے کلام کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس نے امیر طبقے کی خوانین کا سراپا کھینچا ہے جو ڈھاڈھر کے بازار میں سودا خریدنے آتی تھیں۔ اس سے پہلے کسی بھی بلوچی شعر میں ایسی چیز نہیں ملتی۔ بلوچی میں وہ تغزل کا شہزادہ کہلاتا ہے کیونکہ اس نے حسن و جمال کی تصویر بڑے عمدہ انداز میں پیش کی ہے۔

اس دور کے دوسرے شاعر حسب ذیل ہیں:
(۱) شاعرہ بانک سمیک (۲) شاعرہ رانی (۳) شاعرہ حانی (۴) شہ علیلی (۵) شہ بارہ (۶) بیبار مری (۷) میر اشرف (۸) سوہنا سورھیانی (۹) کوئیل جت، اور (۱۰) ملا ابراہیم۔

## انگریزی عہد

۱۸۳۹ء میں انگریزی فوج کوئٹہ پہنچی اور خان سے ایک معاہدہ کیا گیا اس کے

باوجود انگریزوں نے ۱۸۳۹ء ہی میں قلات پر حملہ کر دیا اور ۱۸۷۵ء میں پورے بلوچستان پر قابض ہو گئے۔ یہ جابریت کا دور تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بلوچوں کا سیاسی اور معاشرتی انحطاط شروع ہوا۔ انگریزوں نے بندوق کے زور سے ۱۹۴۷ء تک بلوچستان پر حکومت کی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بلوچی شعرا کا میلان تصوف اور اخلاقیات کی طرف ہو گیا۔ اس وجہ سے اس دور کی شاعری زیادہ تر مذہبی ہے۔ نعتوں، معجزوں اور مدحوں کا بڑا ذخیرہ ملتا ہے۔ اس دور میں بلوچی شاعری پر سندھی اور سرائیکی شاعری کا اثر پڑا، جس کی وجہ سے اس میں زیادہ رنگینی اور دلکشی پیدا ہوئی۔ مکرانی بلوچی پر فارسی کا اثر ہوا۔ بہرحال اس دور میں بلوچی شاعری نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔

اس دور کا عظیم شاعر مست توکلی (وفات ۱۸۹۶ء) ہے، وہ حسن اور عشق کا شاعر ہے۔ اس کا انداز بیان شگفتہ اور دل آویز ہے۔ اس مکتب فکر کے دوسرے شعرا حسب ذیل ہیں:

(۱) ابراہیم شعبانی (۲) لشکر خان جسکانی (۳) جیوا کرد (۴) حیدر بالاچانی (۵) رحم علی مری (۶) ملا عمر مری (۷) حدا بخش مری (۸) پنجو بنگلانی (۹) پہلوان فقیر (۱۰) احمد ولد شوران (۱۱) غلام محمد بالاچانی (۱۲) چگھا بزدار (۱۳) سنگت (۱۴) مندو کہیری (۱۵) جوان سال۔ یہ بلوچی کے مشرقی مکتب فکر کے شعرا ہیں۔

مغربی مکتب فکر کے شعرا میں مکران کے شعرا آتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر عالم تھے اور انھیں ملاّ کہا جاتا تھا اس لیے ان کو ملاؤں کا مکتب فکر بھی کہا جاتا ہے۔ انھوں نے علم عروض کے مطابق شعر کہے ہیں اور ان کے کلام میں فارسی اور عربی الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔ وہ نظم کے شروع میں حمد اور نعت لاتے ہیں۔ اس مکتب فکر کا بلند پایہ شاعر ملاّ فاضل (م ۱۸۸۵ء) ہے۔ اس کے کلام میں بڑی رنگینی اور دلکشی ہے۔ عزّت پنج گوری بھی اس مکتب فکر کا بہت بڑا شاعر ہے۔ اس نے غزلیں بڑی اچھی کہی ہیں۔ باقی شعرا یہ ہیں:

(۱) ملاّ قاسم (۲) ملا نور محمد بمیشتی (۳) ملا اسماعیل (۴) رگام دشتی (۵) ملاّ بوہیر (۶) ملا بہادر مراستانی (۹) سید نور محمد شاہ (۸) ملاّ رحیم۔

## قیام پاکستان کے بعد

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد سب سے پہلے ریڈیو پاکستان کراچی نے بلوچی نشریات کا ایک پروگرام مرتب کیا، جس میں ہر قسم کے مضامین کو بلوچی میں نشر کرنے کی کوشش کی گئی۔ جن لوگوں کو کراچی ریڈیو کے بلوچی پروگراموں میں مقبولیت حاصل ہوئی وہ پہلے ایک دوسرے سے ملے، بعدازاں بلوچی زبان سے دلچسپی رکھنے والے عوام سے مل کر انھوں نے ایک ادبی انجمن کی بنیاد ڈالی اور تھوڑے ہی عرصے میں دو ادبی مجلے "بلوچی" اور "اومان" منظر عام پر آ گئے۔ یہ نقش اولیں تھا۔ پھر ان کی جگہ ماہنامہ "اولس" اور ہفت روزہ "نوکین دور" نے لے لی۔

ان رسائل و جرائد نے سب سے بڑی خدمت یہ انجام دی ہے کہ بلوچی نثر میں مضامین اور افسانے لکھے جا رہے ہیں۔ اس سے پہلے بلوچی نثر کی حالت قابل ذکر نہ تھی۔

اسی اثنا میں ریڈیو پاکستان کوئٹہ کا قیام عمل میں آیا جہاں سے بلوچی نشریات کا آغاز ہوا۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک جو شعرا نامور ہوئے ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) گل خان نصیر (۲) انھوں نے ہیئت کے نئے نئے تجربے کیے اور بلوچی شعر کی پرانی ہیئت کو بھی نئے انداز میں پیش کیا۔ ان کے تین مجموعے چھپ چکے ہیں (الف) گل بانگ (ب) اشب گرد ک (ج) شیر یں دوستی۔ (۲) آزاد جمال دینی، اپنی نظم کی سادگی اور روانی کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ جاگیرداری اور سرداریت کے خلاف ہیں۔ کلام کا ایک مجموعہ مست توار اردو ترجمے کے ساتھ شائع ہوا ہے (۳) عطا شاد، ان کی نظموں میں سوز و گداز کے ساتھ ترنم کا عنصر نمایاں ہے۔ جمالیاتی حظ کو غزل کا اہم ترین عنصر سمجھتے ہیں، وہی سوز و گداز جو ان کی نظموں میں نمایاں ہے، غزلوں میں بھی کارفرما نظر آتا ہے (۴) اسحاق شمیم: فارسی آمیز زبان استعمال کرتے ہیں۔ دلھن ان کی مشہور نظم ہے (۵) عبدالرحیم صابر، ان کی غزلیں سادگی اور روانی کی وجہ سے مقبول ہیں۔ عام طور پر چھوٹی بحروں میں طبع آزمائی کرتے ہیں (۶) ظہور شاہ ہاشمی، ان کی غزلوں میں جمالیاتی عنصر نمایاں ہے۔ ان کے کلام کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں ۱۔ انگرہ نتر و نگل ۱۹۶۲ء میں ۲۔ بزنگگین بیبر ۱۹۶۲ء میں (۳) ترا پکین ترمپ ۱۹۶۲ء میں اور ۱۹۶۵ء

میں (۷) احمد ظہیر: ان کی غزلوں میں آنسو ہیں تڑپ ہے اور یہ ایک مسلسل تلاش ہے۔ (۸) محمد حسین عنقا: ان کی غزلیں داخلیت اور خارجیت دونوں پہلو لیے ہوئے ہیں (۹) مراد ساحر: داخلیت کم اور خارجی ماحول کا اثر زیادہ ہے۔ ان کی شاعری میں سچائی اور ولولہ ہے (۱۰) احمد جگر: غزل گو شاعر ہیں (۱۱) عاجز: حمد و نعت کہتے ہیں (۱۲) بیکس: یہ بھی حمد و نعت کے شاعر ہیں (۱۳) احمد حقانی: قومی نظمیں لکھتے ہیں (۱۴) میر عیسیٰ: پرانے شاعر ہیں اور ان کے کلام میں قومی رنگ غالب ہے۔

## بلوچ ثقافت اور معاشرت

بلوچستان میں سرکاری طور پر سرداری سسٹم ختم ہو چکا ہے، لیکن معاشرتی اعتبار سے ختم نہیں ہوا۔ ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا ہے اور قبیلہ ذیلی اور تحتانی شاخوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ قبیلہ پاڑوں میں اور پاڑہ پھلیوں میں معاشرتی فرائض سرانجام دیتا ہے۔ سردار کے حکم کی پاسداری قبیلے کے ہر فرد کا فرض اولین ہے۔ جنگ ہو یا صلح، سردار کا حکم حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ سیاست ہو یا اقتصاد، معاشرت ہو یا ثقافت ہر شعبۂ زندگی میں قبیلے کے افراد اپنے سردار کی خوشنودی کی روشنی میں اپنا طرز عمل طے کرتے ہیں۔ جس قبیلے کا سردار نہ ہو اسے عزت و وقار کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ سرداری سسٹم کو انگریزوں نے سیاسی مقاصد کے لیے سب سے زیادہ استعمال کیا۔

بلوچوں میں خون کی پاکیزگی پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ جس طرح عربوں میں خون اور خاندان کی طہارت اور تقدس کے لیے نسب ناموں پر زور دیا جاتا ہے، اسی طرح بلوچوں میں نسب ناموں کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ ہر بلوچ کو اپنا شجرہ یا نسب نامہ یاد ہونا چاہیے۔ نسب نامے یاد کرنے کے لیے بلوچ میراثیوں سے بھی کام لیتے ہیں جن کو لوڑی کہا جاتا ہے

دولت اور اختیارات کے اعتبار سے بلوچ قبائل کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (۱) سردار قبائل (۲) متوسط قبائل (۳) زیردست قبائل۔ سردار قبائل وہ ہیں جن کے پاس زمینوں کی وجہ سے یا صنعت و حرفت کی وجہ سے خاصی دولت ہے اور یوں وہ اثر و رسوخ میں دوسرے قبائل کے پیش رو ہیں۔ متوسط قبائل میں وہ قبائل شامل ہیں جن کے پاس نہ تو زمینیں زیادہ ہیں اور نہ آمدنی کے دوسرے

ذرائع وافر مقدار میں میسر ہیں۔ وہ کاشت کاری اور غلہ بانی سے اپنا پیٹ پالنے کے ساتھ ساتھ سردار قبائل کی ملازمت بھی کرتے ہیں۔ تیسرے قبائل میں جاٹ، گولا، لوڑی اور ایسے دوسرے قبیلے شامل ہیں۔ ان قبائل کا فرض ہے کہ سردار کی خدمت کریں۔ معاشرتی سطح پر ان کی حیثیت باقی دو قسم کے قبیلوں کے مقابلے میں کم تر ہے۔ تعلیم کی وجہ سے یہ طبقاتی تقسیم سرعت سے مٹ رہی ہے۔

## طبقہ نسواں

بلوچوں میں عورت کو بے حد عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر دو قبیلوں میں لڑائی جھگڑا ہو جائے تو ایک متحارب قبیلہ اپنے مخالف قبیلے کی عورتوں کو ہرگز کوئی گزند نہیں پہنچاتا۔ عورتوں کی بے حرمتی یا ان پر ظلم روا رکھنا کمینگی اور بزدلی کے مترادف تصور ہوتا ہے۔ اگر دو قبیلے لڑ رہے ہوں تو عورت کی مداخلت پر لڑائی بند کر دی جاتی ہے۔

بلوچ عورتیں بلند کردار، بے حد دلیر اور جفاکش ہوتی ہیں۔ گھر کا سا کام کاج کرتی ہیں۔ سینا پرونا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ وہ گلہ بانی بھی کرتی ہیں۔ مرد کی عدم موجودگی میں کوئی اجنبی یا مہمان آجائے تو بساط بھر اس کی خدمت کرتی ہیں۔ بلوچ خواتین مہمان نوازی میں بے مثال شہرت رکھتی ہیں۔ مہمان اجنبی ہو یا دشمن بلوچ اس کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرتے ہیں۔

## لباس

بلوچ عورتوں کا لباس شائستگی کا عمدہ نمونہ ہے۔ وہ تنگ یا چست لباس سے نفرت کرتی ہیں۔ ان کے دوپٹے اور چادریں لمبی چوڑی ہوتی ہیں اور قمیض کھلی اور ڈھیلی ڈھالی۔ بلوچی کشیدہ کاری دنیا بھر میں نام پیدا کر چکی ہے اور یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ بلوچ عورتیں صاحب ذوق اور چابک دست ہیں۔

بلوچ مرد پگڑی کرتے اور شلوار کو بہت پسند کرتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے لباس پر زیادہ کپڑا خرچ کریں۔ بلوچ بالوں کو بھی پسند کرتے ہیں۔ وہ باقاعدہ پٹے رکھتے ہیں اور تیل سے ان کی پرورش کرتے ہیں، بلوچ کلچر میں ڈاڑھی کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر بلوچ ڈاڑھی کی قسم کھا کر وعدہ کرے تو یقین جانیے

کہ وہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے لیے جان تک قربان کر دے گا۔ قرض اور ادھار کے سلسلے میں ڈاڑھی یا سر کے چند بال بہترین ضمانت تصور کیے جاتے ہیں۔

## ہتھیار

بلوچ مرد بندوق، تلوار، خنجر، تیر کمان، گھوڑا اور چپل کے شیدائی ہیں۔ تیر کمان اور گھوڑے کی جگہ تو اب پستول اور کار اور جیپ نے لے لی ہے تاہم وہ اپنے ایک سورما بالاچ حسن گورگیژ کے مشہور گیت کے الفاظ میں اب بھی ان اشیا کے بے حد شیدائی ہیں۔ بالاچ کے الفاظ ہیں: "پہاڑ ہمارے قلعے ہیں، پہاڑوں کی چوٹیاں ہماری محافظ ہیں، تنگ درّے ہمارے دوست ہیں، ہم چشموں کا پانی پیتے ہیں، کوہ قد کھجور کے پیڑ ہمارے پیالے ہیں، خاردار جھاڑی ہمارا بستر ہے، زمین ہمارا تکیہ ہے، میرے سفید چپل میرے رہوار ہیں، آب دار خنجر میرا عزیز ترین رشتہ دار ہے، چوڑی ڈھال میرا بھائی ہے اور گہرا گھاؤ لگانے والا تلوار میرا باپ"۔

## خوراک

بلوچوں کی غذا اگرچہ سادہ ہوتی ہے تاہم وہ گوشت بہت پسند کرتے ہیں اور اسے خاص طریقے سے بھونتے ہیں جسے سجّی کہا جاتا ہے۔ کھانے پینے کے معاملے میں وہ بڑے خوش خوراک ہیں اور دسترخوان پر خوب دراز دستی کرتے ہیں وہ فخریہ کہتے ہیں کہ ہمارا پیٹ بھیڑیے کی انتڑیوں سے تیار کیا گیا ہے۔

## سیر و شکار

بلوچ سیر و شکار کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ وہ بڑے شوق سے شکاری کتے، باز، اور شکرے پالتے ہیں اور ان سے شکار کرتے ہیں۔ شہ سواری میں ان کی ہم سری بہت مشکل ہے۔ وہ نہایت محنت اور شوق سے گھوڑے پالتے ہیں جنھیں مقابلے میں لاتے اور انعام حاصل کرتے ہیں۔ شہ سواری کے بغیر بلوچ جرأت اور بہادری کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان کے تمام قومی ہیرو اپنے زمانے کے بہترین شہسوار تھے۔

## رقص و سرود

بلوچ رقص میں حرب و ضرب کے عناصر بدرجہ اتم ملتے ہیں۔ "چاپ" ایک اجتماعی رقص ہے جو دائرے کی شکل میں ہوتا ہے اور جس کے ساتھ ڈھول کی گت لازم

ہے۔ 'جھمر' یا 'دریس' بھی ایک بلوچی رقص ہے جسے اہل پنجاب نے اپنایا ہے، اس رقص کے ساتھ بھی ڈھول کا ہونا ضروری ہے۔ تیسرا رقص "رزمیہ" ہے اس میں تالیوں کی بجائے برہنہ شمشیر کی حرکت وجنبش یعنی وار کر کے واپسی کا سماں باندھا جاتا ہے۔ ڈھول بجانے والے دو شخص ہوتے ہیں اور کبھی کبھی شہنائی کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ رقص دائرے کی صورت میں کیا جاتا ہے اور زبان سے صدائے الست ایک خاص آہنگ کے ساتھ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد نکالی جاتی ہے۔ بلوچ موسیقی کے بہت دلدادہ ہیں، ان کے سازوں میں رباب، ہنزدہ، چنگ، سرندہ، چارتارہ، بربط، دنبورا، دہل یا ڈھول اور نڑ (نے) مشہور ہیں۔

بلوچی موسیقی اور لوک گیتوں کا ذخیرہ پیشہ ور لوا کاروں کی وساطت سے ابھی تک محفوظ ہے۔ ڈوم یا میراثی کو بلوچی میں لوڑی کہا جاتا ہے۔ اس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ نسبی شجرے یاد کرنے کے ساتھ ساتھ بلوچ قبائل کا ادبی و تہذیبی ورثہ بھی حفظ کرے اور بوقت ضرورت تقاریب میں گا کر سنائے۔

## شادی بیاہ

بلوچوں میں شادی بیاہ کی تقریبات عموماً موسم بہار میں منعقد ہوتی ہیں۔ فصل کاٹنے کے بعد موسم خزاں میں بھی بعض شادیاں ہوتی ہیں۔ شادی عموماً قبیلے سے باہر نہیں کی جاتی۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر اپنے قبیلے میں موزوں رشتہ نہ ملے تو لڑکیاں تمام عمر والدین کے گھر رہتی ہیں۔ سب سے اچھا رشتہ وہ تصور کیا جاتا ہے جو اپنے قریبی رشتہ داروں میں ہو۔ جب کہیں رشتہ معلوم ہوتا ہے تو لڑکے کا والد اپنی طرف سے کسی سیانے کو جسے وکیل کہنا چاہیئے، لڑکی کے والد کے گھر اس التجا کے ساتھ بھیجتا ہے کہ رشتے کی بات کرے۔ اگر لڑکی کے والد یا لواحق مان جائیں تو پھر لڑکی اور لڑکے کو دیکھا جاتا ہے۔ عام طور پر ایسا بہت کم ہوتا ہے کیونکہ لڑکی کے والدین لڑکے والوں سے اور لڑکے کے والدین لڑکی والوں سے بالعموم پہلے سے متعارف ہوتے ہیں۔ ازاں بعد لڑکے کے والدین اور چند قریبی رشتہ دار لڑکی کے گھر جاتے ہیں اور لڑکی کے رشتے کا سوال اٹھاتے ہیں۔ جب ہامی بھر لی جاتی ہے تو لڑکے کے والدین اپنے گھر آجاتے ہیں اور چند دنوں کے بعد باقاعدہ نسبت طے پا جاتی ہے۔ نسبت کے موقعے پر لڑکے کے

کے والدین حسب استطاعت لڑکی کو تحائف اور ملبوسات پیش کرتے ہیں۔ اس وقت دعا بھی مانگی جاتی ہے کہ خدا لڑکے اور لڑکی کو طویل زندگی عطا فرمائے اور وہ خوش و خرم رہیں۔

شادی کی تقریب دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ بعض اوقات ساری برات ڈھول کی گت پر ناچتی ہوئی دلہن کے گھر جاتی ہے اور نکاح خوانی کے بعد ناچتی ہوئی واپس آتی ہے۔ شادی والدین کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے۔ لڑکی یا لڑکے کی مرضی والدین کی مرضی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ بعض قبیلوں میں تو نسبت سے پہلے لڑکی کی رائے معلوم کرنا گالی سمجھا جاتا ہے۔ تاہم تعلیم یافتہ اور خوش حال شہری خاندانوں میں چوری چھپے رائے معلوم کرنا معیوب خیال نہیں کیا جاتا۔

بلوچوں میں طلاق کو نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ طلاق بے عزتی کا دوسرا نام ہے۔ عورتوں کی تکریم بلوچوں کا جزو ایمان ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ایک ایسی عورت جو ان کی زندگی میں کسی حد تک یا کچھ مدت تک شامل رہی ہے اب ان سے قطع تعلق کر کے بدنامی کا باعث ہو۔ اس طرز عمل کا ایک پہلو یہ ہے کہ بلوچوں میں زنا کی سزا موت ہے۔ اگر معلوم ہو جائے کہ یہ رسوائے عالم جرم سرزد ہوا ہے تو عورت اور مرد دونوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

## بدلہ اور پناہ

بلوچ "خون کا بدلہ خون" کے قائل ہیں، جو بلوچ قتل کا بدلہ نہ لے سکے اسے بزدل خیال کیا جاتا ہے۔ اگر بلوچ کسی کو پناہ دیں تو اس کی حفاظت کے لیے اپنی جان تک داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ یہ خوبی بھی بلوچوں کو عربوں کے خون سے وراثت میں ملی ہے۔ وہ پناہ لینے والے کو کبھی دھوکا نہ دیں گے۔ اگر زر و سیم کے ڈھیر ان کے سامنے رکھ دیے جائیں یا تختۂ دار پر ان کو کھینچا جائے تو بھی وہ پناہ لینے والے کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔

## مہمان نوازی

بلوچ عربوں کی طرح بے حد مہمان نواز ہیں۔ وہ خود بھوکے سو جائیں گے لیکن مہمان کی خاطر و مدارات میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دیں گے۔ جن لوگوں کو بلوچوں کا مہمان بننے کا موقع ملا ہے وہ شاہد ہیں کہ بلوچ قبائلی عربوں کی طرح مہمان نوازی کی سنہری اور صحت مند روایت کا امین ہے۔ جب شہنشاہ ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا

کرانسردگی اور آشفتگی کے عالم میں گھومتا پھرتا بلوچستان آیا انہی دنوں چاغی کا بلوچ سردار ملک خطی شیر شاہ سوری کی مدد کے لیے ہمایوں کی تلاش میں تھا۔ ہمایوں اور اس کا کنبہ ملک خطی کے گھر مہمان ہوا اور جب شام کو ملک خطی گھر آیا اور اُسے پتا چلا کہ ہمایوں اس کا مہمان ہے تو اس نے ہمایوں کی ہر طرح مدد کی۔ شیر شاہ سوری کے انعام و اکرام کو نہ صرف پائے حقارت سے ٹھکرا دیا بلکہ اس کے انتقام کی بھی پروا نہ کی اور ہمایوں اور اس کے کنبے کو بحفاظت ایران پہنچایا۔ ہمایوں جب دوبارہ بلوچستان آیا تو بلوچوں نے پھر چاکر خان رند کے بیٹے شاہ داد خان کی سرکردگی میں ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور دلی کو فتح کر کے ہمایوں کے حوالے کیا۔ مہمان نوازی اور پناہ میں آنے والے کی حفاظت کی پرانی روایت پر اب بھی بلوچ عمل پیرا ہیں۔

ملک محمد رمضان بلوچ اپنی کتاب "بلوچ سماج کے خدوخال" کے صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں: "خود بھوکا رہنا اور مہمان کو کھلانا بلوچوں کی تابندہ روایات میں شامل ہے۔ بلوچی مہمان نوازی وقت، موقع اور محل کی پابند نہیں۔ مہمان جب اور جس وقت آجائے میزبان دیدہ و دل فرش راہ کرے گا اور اس وقت تک خاندان کے افراد کے لیے کھانا حرام ہوگا جب تک مہمان پوری طرح شکم سیر نہ ہو جائیں، کثرت آبادی اور ہمہ گیر اقتصادی بدحالی کے اس دور میں بھی بلوچوں میں مہمان نوازی کی خصوصیات ماضی کی طرح تابندہ ہیں"۔

بلوچ چار مہمانوں کے لیے عموماً بکرا ذبح کرتے ہیں۔ اگر مہمان چار سے زیادہ ہوں تو بکروں کی تعداد بڑھا دی جاتی ہے یا بیل ذبح کیا جاتا ہے۔ اگر میزبان غریب ہوں تو وہ مل کر بکرے یا بیل ذبح کرتے ہیں اور پھر مل کر ان کی قیمت باہم تقسیم کر لیتے ہیں، اس مشترکہ ذبیحہ کو "ونڈی" کہا جاتا ہے۔

## تعاون

بلوچوں کے قبائلی معاشرے میں تعاون اور امداد باہمی کا سنہری اصول کارفرما ہے۔ اگر کسی غریب بلوچ کو شادی بیاہ یا کسی اور ضرورت کے لیے رقم درکار ہو تو وہ اپنے دوستوں اور احباب سے اپیل کرتا ہے۔ اس اپیل کو بجار یا بھوڑی کا نام دیا گیا ہے۔ ضرورت مند شخص کے احباب اس اپیل کے پیش نظر اس کی ہر ممکن امداد

کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی بلوچ کے پاس آلات کشاورزی نہ ہوں تو اس کے قبیلے کے لوگ کھیتی باڑی میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ امداد باہمی کی اس رسم کو حشر اور دانگار کا نام دیا جاتا ہے۔ ایک اور رسم پُرس ہے۔ اس رسم کے مطابق موت کی صورت میں سوگوار خاندان کو ایک روپیہ سے لے کر ایک ہزار روپے تک مالی امداد دی جاتی ہے۔ اس سے سوگوار خاندان ان لوگوں کی مہمان نوازی کر سکتا ہے جو تعزیت کے لیے آتے ہیں۔ سوگوار خاندان کے لیے تین دن تک روٹی بھی قبیلے کے افراد پکا کر بھیجتے ہیں۔

## اعترافِ گناہ

قبیلوں میں لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ تنازعات کو ختم کرنے کے لیے عدالتیں بھی ہیں، جرگے بھی ہیں اور پنچایتیں بھی، جہاں قبیلے کے معززین بیٹھ کر فیصلے کرتے ہیں، لیکن سب سے مؤثر طریقہ میڑ مرکہ کا ہے۔ میڑ مرکہ اعتراف گناہ ہے۔ جب قصوروار فرد یا جماعت کی طرف سے اعتراف گناہ کر لیا جاتا ہے تو اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔ بلوچ اعترافِ گناہ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اعتراف گناہ بہادر اور صاف دل انسان ہی کر سکتا ہے۔ یوں افراد اور قبائل میں پیدا شدہ شکر رنجیاں اور جھگڑے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں۔

## کچہری

بلوچوں میں کچہری کا ادارہ ایک اہم تہذیبی ادارہ ہے۔ ہر قبائلی سردار کے لیے لازم ہے کہ وہ گھر کے ساتھ مہمان خانہ قائم کرے جہاں اس کے قبیلے کے لوگ اور دیگر مہمان آزادانہ آ سکیں۔ جو شخص بھی اس مہمان خانے میں آتا ہے اس کا حال احوال دریافت کیا جاتا ہے اور اس کی خاطر مدارات کی جاتی ہے۔ حال احوال بذاتِ خود ایک اہم اطلاعاتی ادارہ ہے، اس کے ذریعے گرد و پیش کے حالات و واقعات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ مہمان خانے میں بلوچ اپنے اعلیٰ آداب مجلس ملحوظ رکھتے ہیں اور جمہوری انداز میں ہر ایک سے یکساں سلوک کیا جاتا ہے۔ اس سارے مجلسی اور معاشی عمل کو کچہری کا نام دیا گیا ہے۔

## حلف

مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے بلوچ قسم اٹھاتے ہیں۔ حلف برداری سے اعتماد اور بھروسے کی فضا پیدا ہوتی۔ اس سے اتحاد اور تنظیم کا کام بھی لیا جاتا ہے، کڑے وقت میں مجلسی، معاشرتی اور ثقافتی اعمال کی بجا آوری میں آسانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ملک محمد رمضان بلوچ اپنی کتاب "بلوچ سماج کے خدوخال" میں ص ۳۵ پر لکھتے ہیں:

"دنیا کے ہر معاشرے میں شامل انسان کو سوسائٹی کے اجتماعی تیقن اور سماج کے انفرادی اعضا و جوارح کو اعتماد میں لینے کے لیے حلفیہ اقرار کرنا پڑتا ہے، ایسا ہی اقرار بلوچ سوسائٹی کے افراد بھی لیتے ہیں خان میر نصیر خان لوری قبیلہ کا سردار، سخی فتح خان اور ایسے دوسرے کردار ہیں جن کو حلف کے طور پر درمیان میں لاکر بلوچ سماج کے افراد ایک دوسرے کو اعتماد میں لیتے ہیں۔"

حلف شکنی کی صورت میں قہر اور غضب سے خوف زدہ ہو کر خدا، رسول مقبولؐ اور قرآن کریم کا حلف اٹھانے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

## نذرانہ

قبائلی بلوچ ہر سال جو نذرانہ اپنے سردار کو پیش کرتے ہیں اس کو گھال کہا جاتا ہے۔ گھال کی شرح چالیس جانوروں پر ایک جانور سالانہ ہوتی ہے۔ سردار جمع شدہ مویشیوں کو بیچ کر یا ذبح کر کے اپنے تصرف میں لاتا ہے، یوں سردار کے لنگر کی کفالت بھی ہو جاتی ہے۔

## علاج

بلوچوں کی خاصی آبادی خانہ بدوش ہے اور جنگلوں، پہاڑوں اور ریگستانوں میں قیام کرتی ہے۔ ظاہر ہے جنگلوں، پہاڑوں اور ریگستانوں میں جدید طبی سہولتیں کہاں ہو سکتی ہیں؟ چنانچہ بلوچوں میں لوک ادویات مقبول ہیں۔ اسے آپ فوک میڈیسن کہہ سکتے ہیں مثلاً درد کا علاج داغنا، نمونیہ کا علاج خاص درختوں کے پتے گرم کر کے پسلیوں پر باندھنا، تپ محرقہ اور میعادی بخار کی حالت میں

مریض کو دنبے کی کھال میں رکھنا۔ اس طریق علاج سے جانیں ضائع ہونے کا احتمال رہتا ہے۔

## انسداد جرائم

چوری اور ڈاکہ زنی کی وارداتوں کے سلسلے میں جس شخص پر شبہ ہو اُسے دہکتے انگاروں میں گزار کر یا ایک خاص مقررہ وقت تک پانی میں ڈبکی لگا کر اپنے آپکو بے گناہ ثابت کرنا پڑتا ہے۔ اگر مشتبہ شخص خود کو بے گناہ ثابت نہ کر سکے تو اسے مال مسروقہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے شخص کو مجرمانہ بھی کیا جاتا ہے۔ عام خیال ہے کہ بے گناہ کو آگ نہیں جلاتی اور پانی نہیں ڈبوتا۔

حصول انصاف کا یہ طریقہ چنداں خوش گوار نہیں۔ آگ اور پانی جرم کرنے والے اور جرم نہ کرنے والے میں حسیاتی طور پر تمیز روا نہیں رکھ سکتے۔ چنانچہ حصول انصاف کے لیے بلوچستان میں چھوٹی بڑی عدالتیں بھی ہیں اور چھوٹے بڑے جرگے بھی۔ پس ماندہ اور دور افتادہ بلوچ قبیلوں میں عدالت اور پولیس کے بجائے جرگہ تفتیش اور تحقیق کرتا ہے اور جزا اور سزا دیتا رہا ہے۔ جرگہ سسٹم کے بارے میں ملک محمد رمضان بلوچ "بلوچ سماج کے خدوخال" ص ۶۰ میں لکھتے ہیں :

> "انگریز نے اپنے ہشتاد سالہ دور حکومت میں جہاں بنوک شمشیر بلوچوں پر تسلط قائم کرنے کی کوشش کی وہاں اس نے بلوچ سماج کو جرگہ سسٹم کے سامراجی سانچوں میں بھی ڈھالا اور قبائل کے معتمد قبائلی نمائندوں کی جگہ ایسے لوڈی اور ننگ اسلاف لوگوں کو چن چن کر جرگہ نشیں بنا دیا جنھوں نے انگریزی استعمار پر اپنی سماجی اقدار کو قربان کرنے میں ذرہ بھر شرم محسوس نہ کی"۔

بلوچ تہذیب و ثقافت کے مظاہر و تشکیلات کے اس تجزیاتی مطالعہ سے واضح ہوگا کہ بلوچ معاشرہ قبائلی لاشعور اور تعلیمی شعور کی سرحد پر کھڑا ہے۔ تہذیبی حرکت کا کائناتی قانون اُسے جدید دور میں لا رہا ہے اور قبائلی آثاریات اُسے آگے بڑھنے سے روک رہے ہیں۔ بلوچ معاشرے کو تصور حقیقت کا ادراک ہو چکا ہے اور اسے اب اسلام کے دینی، اقتصادی اور معاشرتی اصولوں سے لابد مستفید ہونا ہے۔